توشی ہیکو ازتسو
ترجمہ: محمد خالد مسعود

"کفر" کے قریب المعنی الفاظ

یہ مضمون ڈاکٹر توشی ہیکو ازتسو کی کتاب "قرآن میں اخلاقی اصطلاحات کی ساخت" کے دسویں باب کا ترجمہ ہے۔ اس سے قبل باب چہارم اور نہم کا ترجمہ اسی مجلّے کی گذشتہ اشاعتوں میں پیش کیا جاچکا ہے۔ (مترجم)

اس باب میں ہم منفی اقدار کے حامل چند ایسے الفاظ کا معنویاتی تجزیے کے طریقے سے مطالعہ کریں گے جن کا کفر سے گہرا تعلق ہے۔ درحقیقت کفر چونکہ سب سے بڑا گناہ ہی نہیں بلکہ منفی اقدار کے نظام کا مرکزی نقطہ ہے اس لیے فطری طور پر قرآن کریم میں اخلاق و سیرت کی جن صفات و اقدار کی مذمت کی گئی ہے کم و بیش سب کا کفر سے قریبی رشتہ ہے۔ چنانچہ جن الفاظ کا ہم موجودہ مضمون میں مطالعہ کریں گے' ان میں سے اگر سب کا نہیں تو اکثر کا موضوع کفر ہی ہے۔ ہم ان کا الگ سے ذکر محض سہولت کی خاطر کر رہے ہیں۔ دوسری جانب جیسا کہ ہم بتدریج دیکھیں گے کہ ایک لحاظ سے یہ برائیاں یقینی طور پر کفر سے مختلف بھی ہیں اس لیے ان کا الگ سے بھی مطالعہ ضروری ہے۔ اس مضمون میں ہم مندرجہ ذیل پانچ الفاظ کا تجزیہ پیش کریں۔

فاسق' فاجر' ظالم' معتدی' مسرف

فاسق

(الف) فاسق = کافر

جیسا کہ ہم نے ابھی کہا کہ ''فاسق'' بلکہ باقی چار الفاظ بھی معنوی ساخت میں ''کافر'' سے بہت ملتے جلتے ہیں حتیٰ کہ اکثر اوقات ان میں فرق کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم گفتگو کا آغاز ایک مخصوص مثال سے کرتے ہیں۔ جہاں لفظ ''فاسق'' ''کافر'' کے مترادف استعمال ہوا ہے۔ ابو عامر زمانہ جاہلیت میں اپنے زہد کی وجہ سے مشہور تھا' لوگ اسے راہب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ہجرت کے وقت وہ مدینے میں بہت اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اگرچہ اس کے سارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور آخری دم تک ایمان نہیں لایا' حتیٰ کہ وہ اپنے قبیلے کو چھوڑ کر اپنے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ مکہ چلا گیا۔ روایت ہے کہ یہ سن کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ''اسے آئندہ راہب نہ کہا جائے بلکہ ''فاسق'' کہا جائے۔'' (ابن اسحاق' ج ا' ص ۴۱۱) (۱)

حضرت محمدؐ ابو عامر کے لیے ''فاسق'' کی بجائے ''کافر'' کا بھی استعمال کر سکتے تھے۔ در حقیقت اس مختصر سی روایت سے ایک نہایت ہی اہم بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے فاسق کا لفظ کسی قسم کے رویے کے لیے بولا جاتا ہے لیکن اس روایت سے کفر اور فسق کے فرق پر بالکل روشنی نہیں پڑتی۔ شاید اس روایت ہی سے اشارہ ملتا ہے کہ ان دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ درجے کا ہے صفات کا نہیں۔ بالفاظ دیگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفر جب چند درجوں سے تجاوز کر جائے تو وہ فسق ہو جاتا ہے یعنی فسق' کفر سے چند درجے بڑھ کر ہے اور فاسق ایسے کافر کو کہا جاتا ہے جو ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ یہاں یہ بات

قابل ذکر ہے کہ مفسر بیضاوی نے لکھا ہے کہ فاسق وہ ہے جو کفر پر قائم رہے۔
(۲) ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی ہے تاہم مزید گفتگو سے پہلے ہم ایک قرآنی آیت کا حوالہ دیتے ہیں جس میں کفر اور فسق ایک دوسرے کے برابر استعمال ہوتے ہیں۔

ولقد انزلنا ایت بینت و ما یکفر بها الا الفسقون (البقرہ: ۹۳)

اور ہم نے تیری طرف روشن آیات اتاریں ان کا انکار (کفر) وہی کریں گے جو نافرمان (فاسق) ہیں۔

ب۔ قول و فعل میں تضاد

بظاہر اگلی آیت سے بھی مسئلہ زیادہ واضح نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں بھی صراحت ملتی ہے کہ معنویاتی لحاظ سے کفر اور فسق باہم مساوی ہیں۔

انهم کفروا باللّٰه و رسوله و ماتوا وهم فسقون (التوبہ: ۸۵)

وہ اللہ کے منکر (کفر) ہوئے اور اس کے رسول کے اور وہ فاسق ہی مرگئے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ فسق ایسی حالت کا نام ہے جو اللہ اور رسول سے انکار کے کافرانہ عمل کا نتیجہ ہے۔ تاہم جب اس آیت کو اس کے حقیقی سیاق میں رکھ کر اس کا بغور مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اگرچہ عام طور پر ایک اچھے مسلمان کی طرح اپنے مذہبی جذبے کا بہت زیادہ اظہار کرتے تھے لیکن حیلے بہانے سے جہاد کے مشترکہ مقصد میں حصہ لینے کے انکار سے ان کی اصلیت ظاہر ہوگئی یعنی انھوں نے اس پر خطر کام میں اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈالنے سے احتراز کیا۔ ان

قرآنی آیات میں جہاں فاسق کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں' زبانی عقیدت لیکن عملاً" انکار کے رویے کا اصول ہی بظاہر ایک فیصلہ کن عنصر نظر آتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جو الفاظ کہلوائے گئے ہیں' وہ بعینہ ایسی ہی ملتی جلتی صورت حال میں لفظ فاسق کے استعمال کی مثال ہے۔

قال رب انی لا املک الا نفسی و اخی فافرق بنینا و
بین القوم الفسقین (المائدہ:٢٧)

(حضرت موسیٰؑ نے کہا : اے میرے رب میری جان اور
میرے بھائی کے سوا میرے اختیار میں کچھ نہیں۔ سو ہمارے
اور اس نافرمان (فاسق) قوم میں جدائی کر دے۔

حضرت موسیٰؑ یہ دعا اس وقت کر رہے ہیں جب ان کی قوم جو اس وقت تک ان کا حکم مانتی آئی تھی اب اچانک یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ لاتعداد دشمنوں سے لڑنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ حضرت موسیٰؑ نے انھیں حوصلہ دلاتے ہوئے کہا بھی تھا "ان کے مقابلے میں دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ اگر داخل ہو گئے تو تمھاری فتح یقینی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو خدا پر بھروسہ کرو۔" تجزیے کے بعد بالاخر ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بلاشک و شبہ یہ کفر کا اظہار تھا' لیکن اس اظہار میں ایک خاص معنی کا اضافہ تھا جس کی وجہ سے معنوی طور پر یہ لفظ خالصتہ" کفر کی بجائے نفاق سے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔ بلکہ مندرجہ ذیل آیت تو علانیہ طور پر لفظی اعتبار سے بھی فسق اور نفاق کے درمیان معنویاتی مساوات کی تصدیق کرتی ہے۔

ان المنفقین ھم الفسقون (التوبہ:٦٨)
تحقیق منافق ہی فاسق ہیں

مندرجہ ذیل آیات میں ایسے امرا کا ذکر ہے جو حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے ان سے صرف زبانی طور پر عقیدت کا اظہار کرتے تھے، لیکن جب ان کی جان و مال کی قربانی کا موقع آتا تو پیٹھ پھیر لیتے اور جہاد میں شریک نہ ہوتے۔

يحلفون لكم لترضوا عنهم فان ترضوا عنهم فان الله لا يرضى عن القوم الفسقين (التوبہ: ۹۷)

وہ لوگ تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم راضی ہو بھی گئے تب بھی اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔

یہی مفہوم اسی سورت کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی نکلتا ہے۔ ہم اس آیت کا ذکر اس لیے بھی کر رہے ہیں کہ اس میں ان عناصر کا تفصیل سے ذکر ہے جو تذبذب کے شکار مومنین ایمان کے راستے سے ہٹ کر فسق کی برائی میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔

قل ان كان اباؤكم وابناؤكم و اخوانكم وازواجكم و عشيرتكم و اموال اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها و مسكن ترضونها احب اليكم من الله و رسوله و جهاد فى سبيله فتربصوا حتى ياتى الله بامره و الله لا يهدى القوم الفسقين (التوبہ: ۲۴)

اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا فیصلہ سنائے اللہ فاسق لوگوں کو راستہ نہیں دیتا۔

اسی سورت میں آیات ۴۹۔ ۶۰ میں فاسق کے بنیادی خصائل مزید تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ہم ان تمام آیات کو نقل کرنے کی بجائے ان آیات میں بیان کردہ ان خصوصیات کی فہرست اختصار کے ساتھ درج کر دیتے ہیں۔

(۱) فاسق اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ مومنین کے ساتھ ہیں۔ وہ ایسا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی عسکری قوت سے خوف زدہ ہیں۔

(۲) اندر سے یہ لوگ کافر ہیں اور مرتے دم تک کفر کی حالت میں رہیں گے۔

(۳) ان کا کفریہ مزاج ان کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ عبادت میں سستی کرتے ہیں' اور اللہ کی راہ میں بے دلی سے خرچ کرتے ہیں۔

قل انفقوا طوعا او کرھا لن یتقبل منکم' انکم کنتم قوما فسقین (التوبہ: ۵۳)

کہہ دو کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے' تم سے ہرگز قبول نہ ہوگا' تم بے شک فاسق لوگ ہو۔

(۴) جب انھیں نیکی پر مجبور کیا جائے تو کہتے ہیں ائذن لی ولا تفتنی (مجھے چھوڑ دو اور لبھاوے نہ دو)

(۵) اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش بختی ملتی ہے تو وہ تنگ پڑتے ہیں لیکن اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو باغ باغ ہو جاتے ہیں اور خوشی کے مارے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔

(۶) وہ زکوٰۃ اور خیرات کی تقسیم پر ہمیشہ کڑھتے ہیں اگر انھیں حصہ مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں ورنہ ناراض رہتے ہیں۔ وہ یا تو بھول جاتے ہیں یا اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ زکوٰۃ اور خیرات غریبوں اور محتاجوں کی مدد

کے لیے استعمال ہوتی ہے اور امیر ہونے کی وجہ سے ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

(ج) بد عہدی اور فریب

قول اور فعل کا تضاد ان معاملات میں کھل کر سامنے آتا ہے، جن کا تعلق ایسے وعدوں یا معاہدوں کی پابندی سے ہوتا ہے جو کسی سے کیے جائیں۔

یہ لوگ جس طرح حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو خوش کرنے کے لیے کچھ بھی کہنے کے لیے تیار رہتے ہیں، پھر ایفائے عہد فریضے کو جس طریقے سے مکمل طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کے قول و فعل کے اس تضاد کو مندرجہ ذیل آیت بہت وضاحت سے بیان کرتی ہے۔

کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمته یرضونکم با فواھھم و تابی قلوبھم و اکثرھم فسقون (التوبہ:۸)

کیونکر ہو جب کہ اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو پھر قرابت کا خیال کریں نہ عہد کا، اپنے منہ کی باتوں سے وہ تم کو راضی کر لیتے ہیں جب کہ ان کے دل اس کو نہیں مانتے، ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

وما وجد نا لاکثرھم من عھد و ان وجدنا اکثرھم لفسقین (الاعراف:۱۰۰)

ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کا نباہ نہیں پایا اور ان میں سے اکثر کو فاسقین پایا۔

فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون (آل عمران: ۷۶)

پھر اس کے بعد جو پھر جائے تو یہ لوگ فاسق ہیں۔

الفسقین الذین ینقضون عھد اللّٰہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون (البقرہ:۲۷)

فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے مضبوط معاہدہ کرنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور جس کا اللہ نے ملانے کا حکم دیا اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔ یہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ گھاٹے میں ہیں۔

سورۃ الزخرف میں آیات ۴۵۔ ۵۵ میں فسق کی نسبت فرعون اور اس کی قوم سے کی گئی ہے' اس کی وجہ ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور انھیں کہا کہ وہ اعلان کر دیں:۔

انی رسول رب العلمین (الزخرف:۴۶)

میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔

وہ لوگ اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دردناک عذاب سے پکڑا تو وہ حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے۔

وقالوا یا یھا السحر ادع لنا ربک بما عھد عندک اننا لمھتدون (الزخرف:۴۹)

اور کہنے لگے: اے جادوگر ہمارے واسطے اپنے رب کو پکار جیسا کہ اس نے تم سے عہد کیا ہے تو ہم ضرور راہ راست پر آجائیں گے۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا لیا تو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر انھوں نے اپنا وعدہ توڑ ڈالا۔ مزید یہ کہ فرعون نے یہ دعویٰ کیا:

قال یقوم الیس لی ملک مصر وھذہ الانھر تجری من
تحتی افلا تبصرون ام انا خیر من ھذا الذی ھو مھین
ولا یکادیبین (الزخرف: ۵۵)
بولا اے میری قوم بھلا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں
اور میرے نیچے یہ نہریں نہیں بہتیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ پھر
میں اس سے بہتر نہیں جس کا دیکھنا اور سمجھنا بھی مشکل
ہے۔

اسی طرح اس کی قوم تذبذب کا شکار ہوگئی اور آخر میں اس کی اطاعت کا دم بھرنے لگی۔

فاستخف قومہ فاطاعوہ انھم کانوا قوما فسقین
(الزخرف: ۵۴)
اس کی قوم عقل کھو بیٹھی اور اس کی اطاعت کرنے لگی'
بے شک یہ فاسق لوگ تھے۔

(د) مشیت الٰہی کی مخالفت

اللہ تعالیٰ کی مشیت کی مخالفت خواہ وہ نواہی سے بغاوت کی شکل میں ہو یا اوامر پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ہو قرآن کریم اسے ایسے فسق سے تعبیر کرتا ہے جو شدید ترین عذاب کا مستحق ہے۔ بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر خود فسق ایسے اعمال کی علامت ہے جن کو اللہ تعالیٰ شدت سے ناپسند کرتا ہے:

واذ قلنا للملئکتہ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان
من الجن ففسق عن امر ربہ (الکھف: ۴۸)
جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس

کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنوں کی قوم سے تھا۔ چنانچہ
اس نے اللہ کے حکم سے بغاوت (فسق) کی۔

اس آیت سے یہ بات بھی صراحت سے واضح ہو جاتی ہے کہ بعض عبادات میں فسق سے مراد اللہ کے اوامر کو ترک کرنا ہے۔ ذیل کی آیت میں اس کے بالکل برعکس فعل کی مثال وہ فعل بجالانا ہے جس سے منع کیا گیا ہے:

و اشھدوا اذا تبایعتم ولایضار کاتب ولا شھید وان
تفعلوا فانہ فسوق بکم' واتقو اللّٰہ (البقرہ: ۲۸۲)

جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ کر لیا کرو۔ نہ لکھنے والا
نقصان کرے نہ گواہ' اگر تم ایسا کرو گے تو اپنے ساتھ فسوق
(گناہ) کی بات ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔

"جس سے خدا نے منع کیا ہے۔" کا مطلب فطری طور پر یہی ہے کہ جسے اللہ نے قابل مذمت قرار دیا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات فسق قریب قریب "(اللہ کے نزدیک) قابل مذمت" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں "میسر" کا کھیل (تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کا جوا) اللہ کے ماسوا دوسروں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا کھانا' لواطت' سب و شتم وغیرہ فسق میں شمار کیے گئے ہیں۔

او فسقا اھل لغیر اللّٰہ بہ (الانعام: ۱۲۱)

جس ذبیحے پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے وہ
فسق ہے

وان تستقسموا بالازلام' ذلکم فسق (المائدہ: ۴)

اور یہ کہ تم جوئے کے تیروں سے بانٹو' یہ فسق ہے۔

انا منزلون علی اھل ھذہ القریتہ رجزاً من السماء بما
کانوا یفسقون (العنکبوت: ۳۴)

بے شک ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے غضب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ یہ لوگ فسق (یعنی لواطت) کے مرتکب ہوئے ہیں۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یا توا باربعه شهداء فاجلد وهم ثمنین جلدة ولا تقبلوالهم شهادة ابدا و اوئلک هم الفسقون (النور: ۴)

جو لوگ محفوظ (شادی شدہ) عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور چار گواہ پیش نہیں کرتے تو انھیں اسی (۸۰) درے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو' بے شک یہ لوگ فاسق ہیں۔

(ہ) فسق بمقابلہ ایمان

عمومی انداز میں ایسے تمام افعال کو جن میں ایمان کے مقابلے میں کفر مضمر ہے' فسق کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل دو آیات میں فاسق' مومن کے مقابل استعمال ہوا ہے۔

ولوکانوا یومنون باللّٰه والنبی وما انزل الیه ما اتخذوهم اولیاء ولکن کثیرا منهم فسقون (المائدہ: ۸۴)

اگر یہ لوگ اللہ پر' نبی پر اور جو اس پر اترا اس پر یقین رکھتے تو ان کو دوست نہ بناتے' لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

اس آیت میں واضح طور پر اہل کتاب یعنی یہود کو فاسق کہا جا رہا ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے ناز کردہ احکامات پر یقین نہیں رکھتے۔ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ وہ مشرکین کے ساتھ دوستی کا دم بھر رہے ہیں۔

ولو آمن اهل الکتب لکان خیرالهم منهم المومنون

واکثرھم الفسقون (آل عمران:۱۰۶)
اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ ان میں سے بعض تو مومن ہیں لیکن اکثر فاسق ہیں۔

اگلی آیت میں قریب قریب یہی صورت حال ذرا مختلف انداز سے بیان ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ "ان کے دل پتھر ہوگئے ہیں" کی عبارت، ضدی پن کے اس رویے کو بیان کرنے والی بار بار استعمال ہونے والی عبادت ہے جو کافروں سے مخصوص ہے، جب کہ "دل کی نرمی" سچے مومنوں کی خصوصی علامت ہے۔

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ و ما انزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم و کثیر منھم فسقون (الحدید:۱۵)

کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس کے نازل کردہ کی وجہ سے نرم ہوں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان کو بہت لمبی مہلت دی گئی۔ ان کے دل سخت ہوگئے ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

چونکہ ایمان سے مراد اللہ کی ہدایت کی پیروی اور اس اعتبار سے سیدھے راستے پر چلنا ہے، اس لیے جو ایسا نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔

ولقد ارسلنا نوحا و ابراھیم و جعلنا فی ذریتھما النبوۃ و الکتب فمنھم مھتد و کثیر منھم فسقون (الحدید:۲۶)

ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت

اور کتاب ٹھہرائی ان میں سے کوئی راہ راست پر ہے اور
اکثر فاسق ہیں۔

اسی وجہ سے "اللہ کو بھول جانا" فسق کا ارتکاب ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے: جو خدا کو بھلا دیتا ہے' اللہ اسے ایسا بنا دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول جائے حتی کہ وہ فاسق بن جائے۔

ولا تکولوا کالذین نسوا اللّٰہ فا نسھم انفسھم اولئک ھم
الفسقون (الحشر:۱۹)

تم ان جیسے نہ ہو جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے ان کو
ان کے جی بھلا دیئے یہی لوگ فاسق ہیں۔

یہاں ہم یہ اضافہ کرتے چلیں کہ سورۃ یونس میں الذین فسقوا کی عبارت مشرکین کے لیے آئی ہے۔ اس سورہ میں ۲۷ ویں آیت سے مشرکین سے خطاب شروع ہوتا ہے۔ اور ۳۴ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

کذلک حقت کلمت ربک علی الذین فسقوا انھم لا
یومنون (یونس: ۳۴)

اس طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر صادق آئی
جنھوں نے فسق کا ارتکاب کیا اس لیے کہ وہ ایمان نہیں
لائے۔

چنانچہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شرک بھی فسق کی ایک صورت ہے۔

فاجر

لفظ "فاجر" کے بارے میں قرآن کریم کی آیات سے اس سے زیادہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کافر کا مترادف ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کا بنیادی معنی راستے

سے ہٹ جانا ہے اس لیے استعاراتی طور پر اس کے معنی ہیں (صحیح) راستے سے ہٹ جانا اور پھر قابل مذمت فعل کا ارتکاب کرنا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ ایک قرآنی آیت میں فجر کا صیغہ بعینہ کفر کے فعل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے: یعنی قیامت کے بارے میں اسلام کی اخروی تعلیمات سے انکار کا ارتکاب۔

ایحسب الانسان الن نجمع عظامه بلی قادرین علی ان
نسوی بنانه بل یرید الانسان ان یفجر امامه لیسئل ایان
یوم القیمته (القیمته: ۳-۶)

کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کرسکیں گے۔ کیوں نہیں ہم تو اس کی انگلیوں کی پوریں تک درست کرسکتے ہیں، انسان تو چاہتا ہے اپنے سامنے کی باتوں کا انکار (یفجر) کر دے۔ وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟

یفجر امامه کی مندرجہ بالا تعبیر کو قطعی نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم اگر یہ درست ہے اور اس کے درست ہونے کے قوی امکانات ہیں تو امامہ (اس کے آگے) کا اشارہ وقوع قیامت کی طرف ہے۔ اور اس سیاق میں یہ ٹکڑا بے حد اہم ہے۔ اس تعبیر کی تائید میں ایک اور آیت کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ اس آیت میں قیامت کے جھٹلانے (تکذیب) کو فاجر کی خصوصیات کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کلا ان کتب الفجار لفی سجین، وما ادرک ما سجین
کتب مرقوم، ویل یومئذ للمکذبین الذین یکذبون
بیوم الدین و مایکذب به الا کل معتد اثیم (التطفیف:
۷-۱۲)

ہرگز نہیں۔ بے شک فاجروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے
اور تم کو کیا خبر ہے سجین کیا ہے' یہ ایک لکھی ہوئی کتاب
ہے۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جنھوں نے روز
جزا کو جھٹلایا۔ اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے بڑھ نکلنے والا
گنہ گار ہے۔

(معتدی کے لفظ پر بحث آگے آ رہی ہے)

مندرجہ ذیل آیت میں (فجر کے حاصل مصدر) فجور کو باقاعدہ تقویٰ یعنی خوف (خدا) کے متقابل لایا گیا ہے۔ تقوے کے بارے میں پہلے بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔

ونفس و ما سوھا فالھمھا فجورھا و تقوھا (الشمس: ۷-۸)

قسم ہے نفس کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا۔ پھر
اسے نافرمانی (فجور) اور ڈر (تقویٰ) کی سمجھ دی۔

اس آیت میں یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ ہر انسانی جان کو پیدا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر نیکی اور خوف کی اور اس کے برعکس "فجور" کی روح ڈال دی ہے۔ صرف اسی بات سے ہمیں لفظ فجور کی معنوی ساخت کے بارے میں بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔ یہاں کم از کم اس بات کی واضح نشان دہی موجود ہے کہ "فجور" کے معنی کا کفر کے اس پہلو سے بہت زیادہ تعلق ہے جو براہ راست خوف خدا کی ضد ہے۔

دراصل قرآن کریم میں بعض اوقات "فاجر" کا لفظ "کافر" کے ساتھ بھی مذکور ہے۔

وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا
انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا

(النوح: ۲۷۔ ۲۸)

حضرت نوح نے کہا: اے رب زمین پر کافروں کا ایک گھر بھی نہ چھوڑنا' یقیناً اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو بھکائیں گے اور ان کے ہاں صرف فاجر اور کفار پیدا ہوں گے۔

وجوه يومئذ مسفرة ضاحكه مستبشرة و وجوه يومئذ عليها غبرة ترهقها قتره اولئک هم الكفرة الفجرة (عبس: ۳۸۔ ۴۲)

اس روز (قیامت) بعض چہرے روشن' ہنستے مسکراتے ہوں گے اور کچھ چہرے گرد آلود سیاہی چڑھے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کافر اور فاجر ہیں۔

آخر میں ہم ایسی آیت کا ذکر کریں گے جہاں فاجر "بار" (نیکو کار) کے بالمقابل استعمال ہوا ہے۔ "بار" ایسا مبہم لفظ ہے جس کا معنویاتی مرکزی نقطہ نکالنا بہت مشکل کام ہے۔ ہم آئندہ چل کر اس پر بات کریں گے۔ سردست ہم یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ یہ لفظ ایسے انسان کی خصوصیت کو بیان کرتا ہے جو اللہ کا خصوصی طور پر فرماں بردار ہے اور اس متقی طبیعت کا اپنے رویے سے اس طرح اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ غیر معمولی حد تک نرمی اور محبت سے پیش آتا ہے' خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی۔ اس طرح کے لوگ قدرتی طور پر جنت میں جائیں گے۔ "فجار" جو ان کے بالکل برعکس ہیں' وہ دوزخ میں جائیں گے۔

ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم یصلونها یوم الدین و ماهم عنها بغائبین (الانفطار: ۱۳۔ ۱۶)

بے شک نیک لوگ جنت میں ہیں اور فاجر لوگ دوزخ میں

ہیں، وہ روز جزا اس میں ڈالے جائیں گے اور اس سے کبھی
نہ نکالے جائیں گے۔

ظلم

جیسا کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ ظالم کا ترجمہ برائی کرنے والا، غلط کام کرنے والا کیا جاتا ہے اور ظلم کے معنی برائی، خرابی، بے انصافی اور استبداد کرتے ہیں۔ یہ مادہ قرآن کریم میں نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کہنا کافی نہیں کہ یہ لفظ قرآن کریم میں منفی انداز کے حامل الفاظ میں سب سے اہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم کے تقریباً ہر صفحے پر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

بہت مستند ماہرین لغت کی رائے میں ظلم کے بنیادی معنی ہیں "کسی شے کو غلط جگہ پر رکھنا۔" اخلاقیات میں اس کا معنی یوں بیان کیا جاتا ہے کہ: "کوئی کام اس طرح کرنا کہ مقررہ حدود کی خلاف ورزی ہو اور کسی دوسرے شخص کے حق میں دخل اندازی ہو۔" مختصر اور عام الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ظلم بے انصافی کا نام ہے ان معنوں میں کہ آدمی اپنی حدود سے تجاوز کر جائے اور وہ کام کرے جس کا اسے حق نہیں ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن میں بار بار کہا گیا ہے کہ اللہ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا، چیونٹی کے وزن جتنا بھی نہیں اور ایک کھجور کے ریشے کے برابر بھی نہیں۔ (مثلاً ملتے جلتے مفہوم کے لیے دیکھئے سورۃ النساء: ۴۴، ۵۲) ایک آیت میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ وہ مومنوں کے ساتھ ظلم نہیں کریں گے۔

وما انا بظلام للعبید (ق: ۲۸)
اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ظلم کا اشارہ زیادہ تر یوم حساب کی طرف

ہے۔ بالفاظ دیگر اور زیادہ واضح عبارت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روح کو اس کے ان اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا جو اس نے زمین پر زندگی کے دوران کیے۔ اگر نیک عمل ہیں تو وہ دگنا بدلہ دے گا۔ اگر برے عمل ہیں تو ان کی مناسب سزا دے گا۔ کسی بھی صورت میں انسان کے ساتھ ظلم نہ ہو گا۔

> الیوم تجزی کل نفس بما کسبت' لاظلم الیوم (المومن: ۱۷)
>
> آج ہر جی کو جیسا اس نے کام کیے بدلا ملے گا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہو گا۔
>
> ولتجزی کل نفس بما کسبت وھم لایظلمون (الجاثیہ: ۲۱)
>
> تاکہ ہر کوئی اپنے اعمال کا بدلہ پائے اور ان پر ظلم نہیں ہو گا۔
>
> واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللّٰہ ثم توفی کل نفس ماکسبت وھم لایظلمون (البقرہ: ۲۸۱)
>
> اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس نے جو کمایا ہے اس کا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہو گا۔
>
> وما تنفقوا من شیئی فی سبیل اللّٰہ یوف الیکم وانتم لاتظلمون (الانفال: ۶۲)
>
> اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تم کو پورا ملے گا اور تم پر ظلم نہیں ہو گا۔
>
> ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملئکتہ یضربون و جوھھم وادبارھم و ذوقوا عذاب الحریق ذلک بما

قدمت ایدیکم وان اللّٰہ لیس بظلام للعبید (الانفال: ۵۳)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں اور وہ ان کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ اس کا بدلا ہے جو تم نے آگے بھیجا۔ یہ طے ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

لقد سمع اللّٰہ قول الذین قالوا ان اِللّٰہ فقیر و نحن اغنیاء سنکتب ماقالوا وقتلھم الانبیاء بغیرحق و نقول ذوقوا عذاب الحریق' ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللّٰہ لیس بظلام للعبید (آل عمران: ۱۷۷۔ ۱۷۸)

بے شک اللہ نے اس کی بات سنی جس نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار' ہم ان کی بات لکھ رکھیں گے اور انھوں نے جو انبیا کا ناحق خون کیا ہے اور کہیں گے کہ جلتی آگ کا عذاب چکھو۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے آگے بھیجا اور یہ کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

انسانوں کے کسی گروہ پر عذاب الٰہی اسی دنیا میں روز قیامت سے پہلے بھی آسکتا ہے۔ پرانے زمانے کی بستیوں کے بہت سے کھنڈرات اللہ کے قہرو غضب کے شواہد مانے جاتے ہیں۔ لیکن ان مثالوں میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے ان بستیوں کو اسی وقت تباہ کیا جب وہ اس کی پوری طرح سزاوار ہوگئیں۔ اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے بار بار انتباہ کے بعد ہی ان پر عذاب بھیجا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس وقت سزا دیتا جب وہ نیک کام کر رہے ہوں یا برائی کرنے والوں کو بغیر تنبیہہ کے سزا دیتا تو یہ ظلم ہوتا۔

وما کان ربک لیھلک القری بظلم و اھلھا مصلحون

(ھود: ۱۱۹)
اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک
جب کہ ان کے لوگ نیک ہوں
ذلک ان لم یکن ربک مھلک القری بظلم و اھلھا
غفلون (الانعام: ۱۳۱)
یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا
نہیں جب کہ اس کے لوگ بے خبر ہوں۔

انسانوں کو ان کے اعمال کے نتائج بھگتنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ دوزخ کی آگ کا عذاب جو برائی کرنے والے بھگتیں گے وہ بھی درحقیقت ان کے اپنے کیے کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ظالموں کے لیے عذاب الٰہی کے سلسلے میں قرآن کریم میں بار بار ظلم نفسہ (نفس کے ساتھ برائی یعنی انسان جو اپنی روح کے ساتھ یا اپنے ساتھ ظلم یا برائی کرتا ہے) کی اصطلاح مذکور ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اللہ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا' انسان اپنے ساتھ خود ظلم کرتا ہے۔

ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (البقرہ: ۲۳۱)
جو ایسا کرے گا (یعنی بیویوں پر زیادتی کرے گا) وہ بے شک
اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔
ان الذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من
اللّٰہ شیئا و اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون۔ مثل
ما ینفقون فی ھذہ الحیوۃ الدنیا کمثل ریح فیھا
صر اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ وما
ظلمھم اللّٰہ ولکن انفسھم یظلمون (آل عمران: ۱۱۳)
جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اولاد کے سامنے کسی کام
نہیں آئیں گے۔ یہ لوگ دوزخ کی آگ والے ہیں' جس

میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس دنیاوی زندگی میں وہ جو کچھ
خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایک ہوا کی ہے جس میں پالا ہو
اور وہ ان لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے اور اسے ہلاک
کردے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ نے ان پر ظلم
نہیں کیا بلکہ وہ اپنے اوپر خود ظلم کر رہے ہیں۔

الم یاتھم نباء الذین من قبلھم قوم نوح و عاد و ثمود و
قوم ابراھیم و اصحب مدین و الموتفکت اتتھم رسلھم
بالبنیت فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم
یظلمون (التوبہ:۷۱)

کیا ان کو نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیمؑ، اصحاب دین اور
اپنے سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی اور ان بستیوں کی جو
الٹ دی گئیں، جس کے پاس اللہ کے رسول صاف حکم لے
کر پہنچے۔ اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا وہ اپنے اوپر خود
ظلم کرتے تھے۔

ان اللہ لایظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم
یظلمون (یونس:۴۵)

اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے اوپر
ظلم کرتے ہیں۔

اب اللہ کے افعال کے اعلیٰ درجے سے نیچے اتر کر ہم انسانی اعمال کی طرف آئیں تو ابتدا ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ظلم کا وقوع دو مختلف جہتوں میں ممکن ہے۔ (۱) انسان کا اللہ پر اور (۲) انسان کا انسان پر۔ پہلی جہت میں ظلم یہ ہے کہ انسان ان حدود سے تجاوز کرے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی رویے کے لیے مقرر کی ہیں۔ دوسری جہت میں ظلم کا مطلب ہے کہ کسی معاشرے میں سماجی

زندگی کے لیے جو مناسب رویہ سمجھا جاتا ہے اس کی حدود کی خلاف ورزی کرے۔ اگرچہ درحقیقت ان دونوں جہتوں میں تمیز کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے' کیونکہ خدا کا اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ انسانی معاملات کے ہر لمحے میں دخیل ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف میں چوری کے ارتکاب کو خالص انسانی اصطلاح اور انسانی درجے پر ظلم کی مثال بتایا گیا ہے۔

قالوا جزاؤه من وجد فی رحله فهوجزاؤه' کذلک نجزی الظلمین (یوسف: ۷۵)

کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ملے وہی اس کے بدلے میں جائے' ہم ظالموں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

لیکن سورہ مائدہ میں اسی فعل کو اللہ تعالیٰ کے خلاف ظلم کا ارتکاب بیان کیا گیا ہے۔

فمن تاب بعد ظلمه و اصلح فان اللّٰه یتوب علیه ان اللّٰه غفور رحیم (المائدہ: ۴۳)

جس نے اپنے ظلم (چوری کے ارتکاب) کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قرآن کریم میں معاشرے میں انسانی رویے کے ان ضابطوں کو جو اللہ نے انسانوں پر لاگو کیے ہیں حدود اللہ کہا گیا ہے۔ جو شخص ساری زندگی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہے گا قیامت کے دن اسے اس جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ شخص جو ان حدود سے تجاوز کرے گا' اسے آگ میں ڈالا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی
بطونھم نارا و سیصلون سعیرا (النساء:۱۷)
جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں
میں آگ بھرتے ہیں۔ وہ برے ٹھکانے تک پہنچیں گے۔
تلک حدود اللّٰہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللّٰہ
فاولٰئک ھم الظالمون (البقرہ:۲۲۹)
یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور اللہ کی
حدود سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اسی بات کو ظلم نفس سے بھی عبارت کیا گیا ہے۔

وتلک حدود اللّٰہ و من یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ
(الطلاق:۱)
یہ اللہ کی حدود ہیں جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے تو وہ
اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

مشیت الٰہی اتنی گہری ہے کہ اس کی کوئی تہ نہیں انسانی ذہن اس کی گہرائیوں میں اتر نہیں سکتا اور نہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ جو کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی مخصوص حد کا سبب انسانوں کے لیے لاینحل معما ہی رہتا ہے۔ حد بس اسی لیے ہے کہ اللہ نے اسے مقرر کر دیا ہے۔ مثلاً یہی جنت کے درخت کے بائبلی تصور کی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہے۔

وقلنا یاٰدم اسکن انت وزوجک الجنتہ وکلا منھا رغدا
حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونامن
الظلمین (البقرہ:۳۳)
اور ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمھاری بیوی جنت میں

رہو۔ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو کھاؤ اور اس
درخت کے پاس مت جانا' پھر تم ظالم ہو جاؤ گے۔

تاہم بہت سی ایسی مثالیں ہیں جن میں حدوں کا مقرر کرنا سماجی بھلائی کے معنوں میں ہے۔ یہ ان صورتوں میں ہے جب ایک مخصوص حد سے کسی معاشرے کے لوگوں کی زندگی میں واضح طور پر براہ راست فائدہ مطلوب ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن میں سود کی ممانعت کا حکم فرماتا ہے اور سود کو ظلم کا نام دیتا ہے۔ لا تظلمون ولا تظلمون (البقرة: ۲۷۹) نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم ہو۔ سورہ النساء میں وراثت کے احکام کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اعلان ہوتا ہے۔

تلک حدود اللّٰہ ومن یطع اللّٰہ و رسولہ یدخلہ جنت
تجری من تحتها الانهار خلدین فیها و ذلک الفوز
العظیم ومن یعص اللّٰہ و رسولہ و یتعد حدودہ یدخلہ
نارا خالدا فیها وله عذاب مهین (النساء: ۱۷-۱۸)

یہ اللہ کی حدیں ہیں جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت
کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا' جس کے نیچے
نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی
سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جو شخص اس کی حدود سے آگے
بڑھے گا اسے وہ آگ میں ڈالے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا
اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

طلاق کے قوانین جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا اسی سلسلے کی ایک اور مثال ہیں۔

یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعد تهن
واحصوا العدة واتقوا اللّٰہ ربکم لا تخرجوهن من

بیوتھن ولا یخرجن الا ان یا تین بفا حشته مبینه
وتلک حدود اللّٰه ومن یتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه
(الطلاق:۱)

اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے۔ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جب وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں جو کوئی اللہ کی حدود سے آگے بڑھتا ہے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

یہاں بہت آسانی سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ اسی طرح کی حدود ہیں جو بعد میں بتدریج قانون الٰہی یعنی شریعت بنیں۔

تاہم حدود بہت زیادہ وسیع معانی کی حامل ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں حدود سے تجاوز کے معنوں میں ظلم سے مراد وہ انسانی فعل ہے جو مقرر کردہ حد سے بڑھ جائے اور دوسروں کے حق میں دخیل ہو۔ یہاں یہ ذکر بے حد دلچسپ ہوگا، کہ ظلم کا یہ معنی مشرکین کے نقطہ نظر کی نمائندگی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، ایک آیت میں مومنون کے بت توڑ ڈالنے کا ذکر ہے اور اس فعل کو بت پرستوں کے نقطہ نظر سے ظلم کی کھلی مثال بتایا گیا ہے۔

فجعلهم جذاذا الاکبیرا لهم لعلهم الیه یرجعون قالوا
من فعل هذا بالهتنا انه لمن الظلمین (الانبیاء: ۵۹۔
۶۰)

پھر اس نے ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے ان میں سے بڑے کے شاید وہ ان کی طرف رجوع کریں۔ وہ کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کس نے کیا وہ

تو کوئی ظالم ہے۔

ظلم کے فعل کے ارتکاب کا مطلب ہے کسی شخص کو بلاوجہ شدید تکلیف پہنچانا۔ چنانچہ اگر تجزیہ کیا جائے تو بالآخر نتیجہ نکلتا ہے کہ ظلم کے معنی کا انحصار اس نسبت پر ہے جس سے آپ اس فعل کو دیکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں بتوں کی توڑ پھوڑ ظلم کی مثال بنتی ہے' کیونکہ مشرکین کے نقطہ نظر سے یہ فعل بلاوجہ ہے۔ اس کے برعکس مومنین کے نقطہ نظر سے یہ فعل ہر طرح سے جائز ہے۔ اسی طرح اگر کافر مسلمانوں کو ان کے گھروں سے صرف اس لیے نکال دیں کہ مسلمان کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے تو یہ فعل مسلمانوں کی نظروں میں سراسر ظلم ہے' کیونکہ اس کا کوئی ممکن جواز نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس کافروں کے نقطہ نظر سے مسلمانوں کا عقیدہ توحید ان کے خلاف ایسے سلوک کے لیے بہت بڑی وجہ جواز ہے۔

اذن للذين يقتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقديرُن الذين اخر جوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله (الحج: ۴۰-۴۱)

ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اجازت دی جاتی ہے' کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق ان کے گھروں سے نکالا گیا' (ان کا کوئی جرم نہیں) سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اسی طرح اگر مسلمان اپنے غریب بھائیوں سے صرف اس لیے نفرت کریں کہ وہ غریب ہیں تو یہ بھی ظلم ہوگا' کیونکہ یہ بات کسی طرح بھی اس فعل کا جواز نہیں بنتی۔

ولا تطر دالذين يدعون ربهم بالغدوة والعشي يريدون

وجھہ ماعلیک من حسابھم من شئی و مامن حسابک
علیھم من شئی فتطردھم فتکون من الظالمین
(الانعام: ۵۲)
ان لوگوں کو جو (دعوت حق پر ایمان رکھتے ہیں اور) صبح و
شام خدا کے حضور مناجات کرتے اوز اس کی رضا مندی
چاہتے ہیں' اپنے پاس سے نہ نکالو' ان کے اعمال کی جواب
دہی تمھارے ذمے نہیں ہے' نہ تمھاری جواب دہی ان
کے ذمے ہے کہ (اس ڈر سے) انھیں نکال دو (ایسا نہ کرو)
اگر کرو گے تو ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

ایک اور آیت میں مسلمانوں کو فہمائش کی جا رہی ہے' اگر وہ یتیموں کے مال و جائداد کے والی بنائے گئے ہیں تو اس کو بلاوجہ ہضم کر کے ظلم کا ارتکاب نہ کریں۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلمًا انما یاکلون فی
بطونھم نارا سیصلون سعیرا (النساء: ۱۰)
بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں' وہ اپنے
شکموں میں آگ بھر رہے ہیں' اور وہ عن قریب جلتی آگ
میں داخل ہوں گے۔

بنیادی طور پر قرآن کریم میں ظلم کا لفظ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے استعمال ہوا ہے' اس لیے فطری طور پر اس کا تعلق کافروں کے اس مخصوص رویے سے ہے جو وہ اللہ اور مسلمانوں کے خلاف روا رکھتے ہیں۔

(الف) ظالم۔ کافر

آیئے ان مثالوں سے ابتدا کریں جہاں ظلم کفر کے تقریباً مترادف کے طور پر آیا ہے۔ چلتے چلتے ایک مفید اشارہ کردیں کہ سورہ الانعام آیت ۱۳۵ میں

کافر کی جگہ ظالم کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے بارے میں علامہ بیضاوی کہتے ہیں کہ معنوی طور پر ظلم کفر سے زیادہ جامع اور وسیع معانی کا حامل ہے۔ (۳)

کیف یھدی اللّٰہ قومًا کفروا بعد ایمانھم و شھدوا ان الرسول حق و جاء ھم البینات واللّٰہ لایھدی القوم الظلمین (آل عمران:۸۶)

خدا ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے' حالانکہ پہلے اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغمبر برحق ہیں' اور ان کے پاس دلائل بھی آ گئے۔ اور خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض خصوصیات جو صرف کفر سے مخصوص ہیں ظلم کے لفظ کے ساتھ بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً جو شخص وحی الٰہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا مذاق اڑاتا ہے اور رسول کو جادوگر اور شاعر بتاتا ہے' ایسے شخص کو بعض اوقات کافر کی بجائے ظالم کہا گیا ہے۔

ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون ○ لاھیتہ قلوبھم و اسروا النجوی الذین ظلموا ھل ھذا الا بشرمثلکم افتاتون االسحروانتم تبصرون' قل ربی یعلم القول فی السماء ولارض و ھو السمیع العلیم ○ بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر فلیا تنابایتہ کمارسل الاولون (الانبیاء: ۲-۵)

ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نصیحت کی باتیں پیہم آتی ہیں' مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انھوں نے جی لگا کر سنا ہو۔ وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود رہے ہیں۔ اور دل

ہیں کہ یک قلم غافل اور (دیکھ) ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں "یہ شخص اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری طرح کا ایک آدمی ہے۔ پھر کیا تم جان بوجھ کر ایسی جگہ آتے ہو جہاں جادو کے سوا اور کچھ نہیں؟"

ومن اظلم ممن ذکر بایت ربه فاعرض عنها ونسی ماقدمت یداه (الکہف: ۵۵)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے' جسے اس کے پروردگار کی آیات یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے گردن موڑ لے اور اپنی بدعمالیاں بھول جائے' جو پہلے کر چکا ہے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اللہ کی آیات میں ضرورت سے زیادہ ڈوب جاتے ہیں۔ یہ وسیع الاستعمال عبارت اس مذہبی شک پسندی کے لیے بولی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی وحی کے بارے میں بے مقصد استدلال اور کٹ حجتی کو خالص ایمان اور عقیدے میں داخل کر دیتی ہے۔

ہم تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ اس طرح کی کٹ حجتی کو کفر کہا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں ایسے لوگوں کو ظالم بتایا گیا ہے۔

واذا رایت الذین یخوضون فی آیلتنا فاعرض عنهم حتی یخوضوافی حدیث غیره واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (الانعام: ٦٧)

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں (انکار و شرارت سے) کاوشیں کرتے ہیں تو (تم ان کے ساتھ بحث کرنے میں وقت ضائع نہ کرو اور) ان سے کنارہ کش ہو جاؤ' یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں بحث و گفتگو

کرنے لگیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ شیطان تمھیں (یہ بات)
بھلا دے تو چاہیے کہ یاد آجانے کے بعد ایسے گروہ کی
مجلسوں میں نہ بیٹھو جو ظلم کرنے والے ہیں۔

اسی طرح ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ "وہ لوگ جن کے دل سخت ہو چکے ہیں" کا جملہ عام طور پر کافروں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورہ یوسف آیت ۵۲ میں ایسے لوگوں کو بھی ظالم کہا گیا۔ ہم یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ اللہ کا راستہ روکنے کا بدنیت رویہ بھی کافروں کے مخصوص خصائل میں سے ہے۔ حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف سازش کے تمام اعمال کے بیان سے جتنا کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے اتنا ہی ظلم کا لفظ ہوا ہے۔

ومن اظلم ممن منع مساجدا اللہ ان یذکر فیھا اسمہ
وسعی فی خرابھا (البقرہ: ۱۱۴)

اور غور کرو' اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون
ہو سکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد
سے مانع اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو۔

بعض اوقات دونوں الفاظ ایک ہی آیت میں ساتھ ساتھ بھی آتے ہیں۔

الا لعنتہ اللہ علی الظلمین الذین یصدون عن سبیل
اللہ و یبغونھا عوجًا وھم بالآخرۃ ھم کفرون (ہود:
۱۸۔۱۹)

سن رکھو کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو خدا کے رستے
سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔ اور وہ آخرت
سے بھی انکار کرتے ہیں۔

لعنت اللہ علی الظلمین الذین یصدون عن سبیل اللہ
و یبغونھا عوجًا وھم بالآخرۃ کفرون (الاعراف:

(۴۴-۴۵)
ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو' ان ظالموں پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں' وہ سیدھی راہ نہ ہو' اس میں کجی ڈال دیں' اور آخرت کی زندگی سے بھی روکتے ہیں۔
ان الذین کفروا وظلموالم یکن اللّٰه لیغفرلھم ولا لیھدیھم طریقًا (النساء: ۱۶۷۔ ۱۶۸)
جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم (میں بے باک ہوگئے' اور مرتے دم تک اسی حالت میں سرشار رہے) تو خدا انھیں کبھی بخشنے والا نہیں' اور نہ انھیں (کامیابی و سعادت کی) کوئی راہ دکھائے گا۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم کے تذکرے میں سونے کے بچھڑے کے حوالے سے کہا گیا۔

ثم اتخذ تم العجل من بعده وانتم ظالمون ○ واذ اخذنا میثاقکم و رفعنا فوقکم الطور خذوا ما ایتناکم بقوۃ واسمعوا قالوا سمعنا و عصینا و اشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم قل بئسما یامر کم به ایمانکم ان کنتم مؤمنین (البقرہ: ۹۲۔ ۹۳)
اور پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمھارے پاس آیا لیکن جب (چالیس دن کے لیے) تم سے الگ ہوگیا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے اور ایسا کرتے ہوئے تم اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ اور جب ہم نے تم لوگوں سے عہد واثق لیا اور کوہ طور کو تم پر

اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے، اس کو زور سے پکڑو اور جو تمھیں حکم ہوتا ہے، (اس کو) سنو، تو وہ (جو تمھارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں، اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا (گویا) ان کے دلوں میں رچ گیا تھا۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ اگر تم مومن ہو تو تمھارا ایمان تم کو بری بات بتاتا ہے۔

واذ قال موسیٰ لقومه یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل (البقرہ: ۵۴)

اور (پھر وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ پکار رہا تھا۔ اے میری قوم! (افسوس تمھاری حق فراموشی پر) تم نے بچھڑے کی پوجا میں اپنے آپ پر ظلم کیا۔

واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلته ثم اتخذتم العجل من بعده وانتم ظلمون (البقرہ: ۵۱)

اور پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں والا وعدہ کیا تھا۔ پھر تم نے ایک بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی اور تم ظالم تھے۔

صرف کافروں کو ہی ظالم نہیں کہا گیا بلکہ ان لوگوں کو بھی ظالم کہا گیا جو کافروں کو دوست بناتے ہیں، حتیٰ کہ اگر خود ان کے والدین اور بھائی کافر ہوں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ رویہ زمانہ جاہلیت کے اس سماجی اصول سے مکمل علیحدگی کا غماز ہے جس میں خون کے رشتے کو فطری رشتہ سمجھا جاتا تھا۔

یا ایها الذین امنوا لاتتخذوا آباؤکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولهم منکم

فاولئک هم الظلمون (التوبہ: ۲۳)
اے اہل ایمان! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی
ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو'
اور جن سے دوستی رکھیں گے' وہ ظالم ہیں۔

(ب) ظلم ——— شرک

ہم گذشتہ مباحث میں کفر اور شرک کے مابین واضح قسم کی معنویاتی مساوات کا ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم دیکھ چکے ہیں کہ ظلم اور کفر بہت سے بنیادی مفاہیم میں بعینہ یا قریب قریب ہم معنی ہیں۔ لہٰذا اس کا قطعی امکان ہے کہ شرک اور ظلم کے مابین بھی اسی طرح کی معنویاتی مساوات موجود ہو۔ واقعتاً" قرآن کریم میں اس کے بہت سے شواہد ملتے ہیں۔ ایک آیت میں لقمان حکیم اپنے بیٹے کو فہمائش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یا بنی لا تشرک باللّٰہ ان الشرک لظلم عظیم (لقمان: ۱۳)
اے بیٹا! خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا' شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔

اس آیت میں ظلم کو شرک کی براہ راست خبر بیان کیا گیا ہے۔ اگلی آیات بھی معنویاتی لحاظ سے کچھ کم اہم نہیں' کیونکہ ان میں کفر' شرک اور ظلم میں سہ جہتی معنویاتی رشتے کا بیان ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ هو المسیح ابن مریم و قال المسیح یبنی اسرائیل اعبدوا اللّٰہ ربی و ربکم انه من یشرک باللّٰہ فقد حرم اللّٰہ علیه الجنه وما واہ النار وما للظالمین من انصار (المائدہ: ۷۲)

وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح خدا ہیں۔ حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے۔ اور تمہارا بھی۔ جو خدا سے شرک کرے گا' خدا اس پر جنت حرام کردے گا' اس کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ومن الناس من یتخذمن دون اللّٰہ انداداً یحبونھم کحب اللّٰہ و الذین آمنوا اشد حبًا للّٰہ ولویری الذین ظلموا اذ یرون العذاب ان القوۃ للہ جمیعًا و ان اللّٰہ شدید العذاب (البقرہ: ۱۶۵)

بعض لوگ غیر خدا کو خدا کا شریک بناتے اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ایمان دار ہیں وہ تو سب سے زیادہ خدا ہی سے محبت کرتے ہیں۔ اے کاش ظالم لوگ جو بات' عذاب کے وقت دیکھیں گے' اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت خدا ہی کی ہے۔ اور یہ کہ خدا سخت عذاب کرنے والا ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم جو زیورات سے سونے کا بچھڑا بنا کر اس کی عبادت کرنے لگے تھے انھیں ظلم کے ارتکاب کا ملزم قرار دیا۔

واتخذ قوم موسٰی من بعدہ من حلیھم عجلا جسدالہ خوار ط الم یھروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا اتخذوہ وکانوا ظلمین (الاعراف: ۱۴۸)

اور قوم موسیٰؑ نے موسیٰؑ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا۔ وہ ایک جسم تھا جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی۔

ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے
اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے۔ انھوں نے اس کو (معبود)
بنالیا اور اپنے آپ پر ظلم کیا۔

(ج) تکذیب ——— ظلم

تکذیب یعنی اللہ کی آیات کا جھٹلانا جسے ہم کفر کی مخصوص خصلت کے طور پر ذکر کر چکے ہیں' بھی فطری طور پر ظلم کے دائرے میں شامل ہے۔ صرف ایک مثال کافی ہے۔

بئس مثل القوم الذین کذبوا بایات اللّٰہ و اللّٰہ لا یھدی
القوم الظلمین (الجمعہ:۵)
جو لوگ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں' ان کی مثال بری
ہے' اور خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ظلم ——— افتریٰ علی اللہ

اللہ پر جھوٹ باندھنا (افتری ا.لکذب علی اللہ) جس کا تجزیہ ہم پہلے کر چکے ہیں' بھی ایسی ہی برائی ہے۔ تکذیب اور افتری میں فرق یہ ہے کہ تکذیب کسی دوسرے کی بیان کردہ سچائی کو جھٹلانے کو کہتے ہیں اور افتری جھوٹ گھڑنا ہے۔ بعض اوقات دونوں ایک ہی آیت میں ساتھ ساتھ آتے ہیں' اور دونوں کے لیے ظلم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

ومن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا او کذب با یاتہ انہ
لایفلح الظالمون (الانعام:۲۱)
اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس نے خدا پر جھوٹ افترا
کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا' بے شک ظالم لوگ نجات
نہیں پائیں گے۔

فمن اظلم ممن کذب علی اللّٰہ و کذب بالصدق اذجاءہ الیس فی جھنم مثوی للکفرین (الزمر:۳۲)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں؟

مندرجہ ذیل آیت اس سلسلے کی ایک عمدہ مثال ہے جس میں ایسے جعل سازوں کی اس خاص خصلت کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ومن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا اوقال اوحی الی ولم یوح الیہ شئی و من قال سانزل مثل ماانزل اللّٰہ و لوتری، اذالظالمون فی غمرات الموت و الملائکہ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بماکنتم تقولون علی اللّٰہ غیر الحق و کنتم عن آیاتہ تستکبرون○ (الانعام:۹۳)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے' حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آتی ہو' اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب خدا نے نازل کی ہے' اس طرح کی میں بھی بنا لیتا ہوں۔ کاش تم ان ظالم لوگوں کو اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں اور فرشتے ان کی طرف عذاب کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لیے کہ تم خدا پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔

(۵) ظالم ـــــــ فاسق

قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کی قوم کا ذکر آیا ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ الفاظ میں تحریف کرتے تھے اور اسے اس طرح بدل ڈالتے تھے کہ بظاہر اس کی شکل وہی رہتی تھی لیکن وہ اصل سے بالکل مختلف ہوتا تھا اور اس طرح وہ ان الفاظ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایسے لوگوں کو قرآن کریم ظالم کہتا ہے اور اس رویے کو فسق قرار دیتا ہے۔ فسق کے بارے میں اوپر بات ہو چکی ہے۔

فبدل الذین ظلموا قولًا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزًا من السماء بما کانوا یفسقون (البقرہ: ۵۹)

ظالموں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا' بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کر دیا۔ پس ہم نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا' کیوں کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

ظلم کی معنوی ساخت کی اس بحث کو ختم کرتے ہوئے مناسب ہوگا کہ یہاں ایک اور لفظ "رھق" پر بھی غور کر لیا جائے جو معنوی طور پر اس سے بہت مشابہ ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں سورہ الجن میں دو مرتبہ آیا ہے۔ قدیم مفسرین میں اس بات پر اختلاف ہے کہ ان دونوں آیات میں اس لفظ کا صحیح مطلب کیا ہے۔ لیکن سیاق و سباق سے کچھ نہ کچھ مفہوم ضرور واضح ہو جاتا ہے۔

وانه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا ○ وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللّٰہ احدًا (الجن: ۶-۷)

اور بعض بنی آدم بعض جنات کی پناہ پکڑتے تھے' جن سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی' اور ان کا بھی یہی خیال تھا' جو

تمھارا تھا کہ خدا کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔

اس آیت میں ظاہر ہوتا ہے کہ رھق کے لغوی معنی کچھ بھی ہوں' اس میں زیادتی اور اضافے کا فوری سبب روز قیامت کا انکار ہے جو وہی تکذیب ہے جس کا ہم بار بار ذکر کرچکے ہیں کہ وہ کافروں کی ممتاز خصوصیت ہے۔ اس لحاظ سے رھق کو کفر یا ظلم کے مترادف کہنا ممکن ہے۔

وانا لما سمعنا الھدی امنا بہ فمن یومن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا (الجن: ۱۳)

اور جب ہم نے ہدایت کی بات سنی' اس پر ایمان لے آئے' تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے' اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا۔

اس آیت میں "بخس" کا مطلب اغلباً" روز جزا ثواب میں بلا جواز کمی ہے' اس لیے ہمارا گمان ہے کہ رھق کا معنی بھی اگر بعینہ ظلم نہیں تو اس کے قریب قریب ہوگا۔ جہاں تک قرآن کریم میں لفظ ظلم کے استعمال کے تجزیے کا تعلق ہے' اس کی یہی حدود ہوسکتی ہیں' ان سے آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں۔

معتدی

(الف) معتدی ——— ظالم

معتدی اعتدا سے اسم فاعل ہے جس کا مطلب ہے اپنی مخصوص حد سے بڑھنا یا آگے گزر جانا۔ بالفاظ دیگر کسی کے خلاف جارحیت یا ظلم کا ارتکاب کرنا۔ یہ بات بہت آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ اعتدا اور ظلم جس کا تجزیہ اوپر تفصیل سے پیش کیا گیا دونوں کا بیشتر معنویاتی علاقہ مشترک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سی اہم آیات میں لفظ معتدی ظالم کا مکمل طور پر مترادف ہے۔ مثلاً

مندرجہ ذیل آیت کو ہی لیجیے۔

وقتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لایحب المعتدین (البقرہ: ۱۹۰)

جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لفظ "حد سے نہ بڑھو" (لا تعتدوا۔ اعتدی) کا زیادہ صریح مفہوم ہوگا "دشمن کو لڑنے کے لیے للکارنے میں پہل نہ کرو۔" تقریباً یہی بات "ظلم" کے لفظ سے بھی کہی جاسکتی تھی۔ اس آیت کا سورۃ الحج کی آیت ۴۰ سے، جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے، موازنہ کریں تو یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے۔

ظلم اور اعتدا میں یہ معنویاتی ربط ایک اور آیت سے براہ راست روشن ہوتا ہے۔ سورہ المائدہ (آیت ۱۰۶) میں جائداد کی وصیت کے وقت جو لوگ قانونی گواہوں کے طور پر موجود ہوں ان کے لیے گواہی دینے کے لیے جو الفاظ بیان ہوئے ہیں اس میں یہ بات صراحت سے کہی گئی ہے کہ کسی کا ظالم ہونا اس کی جارحیت کا فوری نتیجہ ہوتا ہے۔ آیت مندرجہ ذیل ہے۔

فان عثر علی انهما استحقا اثما فاخران یقومان مقامهما من الذین استحق علیهم الاولین فیقسمن باللّٰہ لشهادتنا احق من شهادتهما وما اعتدینا انا اذا لمن الظالمین (المائدہ: ۱۰۷)

اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ حاصل کیا ہے تو جن لوگوں کا انھوں نے حق مارنا چاہا تھا، ان میں سے ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں، جو (میت سے) قرابت قریبہ رکھتے ہوں۔ پھر وہ خدا کی قسمیں

کھائیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے بہت اچھی ہے
اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی' ایسا کیا ہو تو ہم ظالم ہوں۔

(ب) اعتدی ——— حدود اللہ کی خلاف ورزی

یاد رہے کہ ہم نے لفظ "ظلم" کے تجزیے کے دوران اس کے ایک پہلو یعنی حدود اللہ کی مخالفت پر بہت تفصیل سے بحث کی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ لفظ اعتدی بھی ایسے موقعوں پر انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں درج کی جا رہی ہیں:

ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنالھم
کونوا قردۃ خسیٔن (البقرہ: ۶۵)
اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو' جو تم میں سے ہفتے کے
دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے' تو
ہم نے ان سے کہا ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

سورہ الاعراف آیت ۱۶۳ میں اس میں ملتی جلتی عبادت یعتدون۔ وہ سبت کی حد کی خلاف وزی کرتے ہیں' کی تفسیر میں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ: "اس کا مطلب ہے کہ وہ ہفتے کے روز مچھلی کا شکار کر کے اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔" (۴) مندرجہ ذیل دو مثالوں میں بھی یہی صورت حال بیان ہوئی ہے۔

فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم (المائدہ: ۹۴)
جو شخص اس کے بعد زیادتی کرے' اس کے لیے دردناک
عذاب ہے۔
یا ایھا الذین آمنوا لاتحرمواطیبت ما احل اللہ لکم ولا
تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (المائدہ: ۸۷)

ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمھارے لیے حلال کی ہیں، ان کو حرام نہ قرار دو، اور حد سے نہ بڑھو۔ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حلال اور حرام دو انتہائی اہم اصطلاحات ہیں جو حرمت اور ممانعت کی زبان کے قدیم اور ابتدائی دور سے ورثے میں آئی ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں تقریباً قانونی اصطلاحات کی حیثیت سے ان کا کردار بہت نمایاں ہے اور بعد میں اسلامی فقہ کے نظام میں اپنا لی گئیں۔ ہم ان کا تفصیلی تجزیہ تو آئندہ کریں گے، سردست یہ کہنا کافی ہے کہ قرآن کریم میں یہ اصطلاحات اللہ کی حدود کا حصہ ہیں اور اللہ کے نازل کردہ حلال و حرام کے نظام میں کوئی تبدیلی اعتدا (جارحیت) کی حقیقی مثال ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ لواطت کو بعض اوقات "اعتدا" کا فعل بتایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں "حدود اللہ کی خلاف ورزی" کا مفہوم بہت واضح طور پر "قابل نفرت" کے مفہوم کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا فعل جو اللہ کی نفرت کا براہ راست مستوجب ہے۔ اس نقطہ نظر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ لواطت کو عموماً فاحشہ (اس لفظ پر بھی بحث آئندہ آئے گی) بتایا گیا جو قابل مذمت شے کے لیے بولا جاتا ہے۔

اتا تون الذکران من العلمین ○ و تذرون ماخلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عادون (الشعراء: ۱۶۵-۱۶۶)

کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہو جاتے ہو، اور تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے جو تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں، ان کو چھوڑ دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے

تجاوز کرنے والے ہو۔

(ج) اعتدی۔ کفر

اب تک جو گفتگو ہوئی ہے اس سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اعتدی کے معنی عصیٰ' "باغی ہونا"' یا کسی (کے احکام) کی نافرمانی کے بہت قریب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فعل قرآن کریم میں اکثر ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ ہم ذیل میں ایک مثال دیتے ہیں جو معنویاتی اعتبار سے خاص طور پر بہت اہم ہے۔ آیت بنی اسرائیل کے بارے میں ہے جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکلے اور پھر ہر قسم کی بے دھرمی میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی اس بغاوت اور خلاف ورزی کو کفر کہا گیا ہے۔

> وضربت علهم الذلته والمسکنه وباء و بغضب من اللّٰه و ذلک بانهم کانوا یکفرون بایت اللّٰه و یقتلون النبیین بغیر الحق ذلک ما عصوا و کانوا یعتدون (البقرہ:٦١)
>
> اور ذلت اور محتاجی ان سے چمٹا دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے' اس لیے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے' نیز وہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔

مندرجہ ذیل مثال میں تکذیب کا لفظ' جس کے بارے میں ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ وہ کفر کی امتیازی خصوصیت ہے' جارحیت اور خلاف ورزی کے لفظ سے معنوی طور پر بہت قریب استعمال ہوا ہے۔

> ویل یو مئذ للمکذ بین ○ الذین یکذبون بیوم الدین ○ وما یکذب به الا کل معتداثیم (المطففین:١٠-١٢)

(قیامت کے دن) جھٹلانے والوں کی تباہی ہے' وہ لوگ جو
انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو
حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار ہے۔

مسرف

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ظالم اور معتدی دونوں کی معنویاتی ساخت میں "حدود کی خلاف ورزی" کا مفہوم مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسرف ایک اور لفظ ہے جس کی معنویاتی ترکیب بھی ایسی ہی ہے۔ یہ لفظ اسرف کے فعل سے بنا ہے جو س ر ف کے مادے سے مشتق فعل کا چوتھا باب ہے جس کا بنیادی معنی ہے "حد سے گزرنا"' صحیح مقدار سے تجاوز کرنا"۔ لیکن ظلم اور اعتدی کے برعکس (خصوصاً ظلم کے اعتبار سے واضح طور پر) جن کے مفہوم میں عناد' جارحیت اور دوسرے کی حق تلفی کا عنصر غالب' اسراف کے معنی' مذکورہ احتمالات کے بغیر کسی بھی معاملے میں مناسب حدود سے آگے بڑھنا' بہت زیادہ فضول خرچی' اعتدال کی مخالفت اور زیادتی کا ارتکاب ہیں۔ مندرجہ ذیل دو آیات میں اسراف کی صفت غیر معتدل کھانے پینے کے فعل کے ساتھ آئی ہے' اصل فعل میں بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے لیکن فضول حد تک پہنچ کر یہ فعل بھی اخلاقی طور پر برائی بن جاتا ہے۔ اسی کو اسراف کہتے ہیں اور اسی کی اللہ تعالٰی نے مذمت کی ہے۔

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد و کلوا
واشربوا ولا تسر فوا انه لا یحب المسرفین (الاعراف:
۳۱)

اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو
اور کھاؤ پیو اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو

دوست نہیں رکھتا۔

وھو الذی انشا جنت معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمروا توا حقہ یوم حصارہ ولا تسرفوا انہ لایحب المسرفین (الانعام: ۱۴۱)

اور خدا ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کیے' چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے بھی۔ اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض باتوں میں نہیں ملتے۔ جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن کاٹو تو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔ اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں بناتا۔

اگلی مثال میں اسراف کا لفظ قوم لوط کے رواج کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔

و لوطا اذ قال لقومہ اتا تون الفاحشہ ما سبقکم بھا من احد من العلمین ○ انکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون (الاعراف: ۸۰-۸۱)

اور لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا' یعنی اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو' حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ

اسراف کرنے (یعنی حد سے نکل جانے والے ہو۔)

ذیل کی مثال حضرت صالحؑ کی تقریر سے لی گئی ہے جس میں اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے ان کے بے دین طرز زندگی پر انھیں فہمائش کی ہے۔

فاتقوا اللّٰہ و اطیعون ○ ولا تطیعوا امر المسرفین ○ الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون (الشعرا: ۱۵۰-۱۵۲)

تم اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو' جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

جہاں تک "فساد" اور "نیکی" کے مفاہیم کا تعلق ہے جو اس آیت میں مسرف کے تصور کی اندرونی ساخت کو متعین کرتے ہیں' ان کے بارے میں ہم اس وقت زیادہ تفصیل سے بحث کریں گے جب قرآن کریم میں نیکی اور بدی کے مسئلے پر بات ہوگی۔

اگرچہ یہ بات مکمل قطعیت سے نہیں کہی جاسکتی تاہم مندرجہ ذیل آیت میں مسرف کا معنی گذشتہ بحث کی روشنی میں ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ سیاق و سباق یہ ہے کہ جب فرعون حضرت موسیٰؑ کو یہ وجہ بیان کر کے سزائے موت دینا چاہتا تھا کہ اگر انھیں زندہ آزاد چھوڑ دیا گیا تو وہ فساد پھیلائیں گے اور آخر کار لوگوں کے روایتی مذہب کو بھی خراب کر دیں گے' تو فرعون کی قوم کے ایک شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا' فرعون کو یہ انتہائی قدم اٹھانے سے روکتے ہوئے کہا۔

وقال رجل مومن من ال فرعون یکتم ایمانه اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللّٰه و قدجاء کم بالبینت من ربکم

و ان یک کاذبا فعلیه کذبه وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللّٰہ لایهدی من هو مسرف کذاب (المومن:۲۸)

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا' کہنے لگا' کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے' اور وہ تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو کے اس جھوٹ کا ضرر اسی کو ہو گا' اور اگر سچا ہو گا تو کوئی سا عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے' تم پر واقع ہو کر رہے گا۔ بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا' جو اسراف کرنے والا (اور) جھوٹا ہو۔

اس آیت میں لفظ کذاب' جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' کاذب کا اسم مبالغہ ہے جس کا معنی کچھ اس طرح ہو گا: ایک بہت بڑا یا عادی جھوٹ بولنے والا۔ مسرف کا اشارہ غالباً فرعون کے ان الفاظ کی طرف ہے جن کا مطلب تھا کہ موسیٰؑ یقیناً ملک میں فساد پھیلائیں گے۔ اگر یہ تعبیر درست ہے تو اس مومن شخص کے کہنے کا مطلب یوں بیان کیا جاسکتا ہے: "اگر جیسا کہ فرعون کا اصرار ہے حضرت موسیٰؑ سچ مچ بہت بڑے جھوٹے ہیں اور اگر وہ ملک میں فساد کے علاوہ کچھ نہیں کرتے' تو وہ خود ہی تباہ ہو جائیں گے' کیونکہ ایسی قابل مذمت صفات کے حامل شخص کو اللہ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔"

اب بہت آسانی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اس قسم کے مواقع پر مسرف کا معنی بہت واضح طور پر کافر اور ظالم کے قریب آجاتا ہے۔ بلکہ اس کے بعد چند آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ مسرف ان لوگوں کے لیے بولا گیا جو اللہ

کے رسولوں کے اخلاص پر شک کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کے بارے میں خواہ مخواہ کے جھگڑوں میں الجھتے ہیں۔

ولقد جاء کم یوسف من قبل بالبینت فما زلتم فی شک مما جاء کم به حتی اذاهلک قلتم لن یبعث اللّٰه من بعده رسولا کذالک یضل اللّٰه من هو مسرف مرتاب ○ الذین یجادلون فی آیات اللّٰه بغیر سلطان اتهم کبر مقتا عند اللّٰه و عند الذین امنوا کذالک یطبع اللّٰه علی کل قلب متکبر جبار (المومن: ۳۴-۳۵)

اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے' تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہے۔ جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو' خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اس آیت سے زیادہ اس امر کی واضح مثال مل سکتی ہے کہ بعض مواقع پر اسراف کفر کے بہت زیادہ مترادف ہو جاتا ہے۔ وحی الٰہی کے بارے میں شکوک و شبہات' اللہ کے بارے میں خواہ مخواہ کی بحث و تمحیص' تکبر اور غرور سے بھرے دل جو اللہ پر ایمان نہ لائیں یہ تمام ہی کافروں کی معروف نشانیاں ہیں۔ اس تاثر کی مزید توثیق اس سے ہوتی ہے کہ مسرف کا لفظ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور بت پرستی میں

مشغول ہیں۔ گویا مشرک = مسرف۔

تدعوننی لاکفر باللّٰہ و اشرک بہ مالیس لی بہ علم وانا ادعوکم الی العزیز الغفارہ لاجرم انما تد عوننی الیہ لیس لہ دعوۃ فی الدنیا ولا فی الاخرۃ وان مردنا الی اللّٰہ وان المسرفین ہم اصحب النار (المؤمن: ۴۲۔۴۳)

تم مجھے اس لیے بلاتے ہو کہ خدا کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک مقرر کروں، جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں، اور میں تم کو خدائے غالب اور بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی قبول کرنے) کا مقدور نہیں، اور ہم کو خدا کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔

اگلی آیت میں یہی لفظ اپنی فعلی شکل: اسرف کی صورت میں آیا ہے جس کا لفظی معنی ہے، اس نے مناسب حد کی خلاف ورزی کی۔ سیاق و سباق سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کا اشارہ ایسے شخص کی طرف ہے جس نے ساری زندگی خوش فعلیوں اور عیش و عشرت میں گزار دی۔ اللہ کی نازل کردہ آیات سے قطعاً" بے پروا۔

قال کذالک اتتک ایتنا فنسیتھا وکذالک الیوم تنسی (طٰہٰ:۱۲۶)

خدا فرمائے گا کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح آج ہم تم کو بھلا دیں گے۔

جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے واضح کر چکے ہیں، یہ رویہ بعینہٖ کفر ہے،

اس کی حقیقت اس سے زیادہ ہے نہ کم۔

وکذلک یجزی من اسرف ولم یومن بایت ربه (طٰہٰ: ۱۲۷)

اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لائے، ہم اس کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔

ہم اس فصل کی بحث کو ختم کرتے ہوئے ایک آیت نقل کرتے ہیں جس میں لفظ مسرف بہت واضح طور پر اللہ کی کھلی ممانعت کے خلاف باغیانہ زیادتی کے فعل کے لیے آیا ہے۔

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاها فکانما احیا الناس جمیعا ولقد جاء تهم رسلنا بالبینت ثم ان کثیرا منهم بعد ذالک فی الارض لمسرفون ○ (المائدہ: ۳۲)

اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلا لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا باعث ہوا۔ اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں، پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں اصطلاحات بنیادی طور پر مقرر کردہ حدود کی خلاف

ورزی کے مفہوم کو ادا کرتی ہیں۔ یہاں میں ایک اور لفظ کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا جس کی معنویاتی ساخت بھی بظاہر یہی ہے۔ یہ ہے لفظ شطط۔ بنیادی طور پر اس لفظ کا معنی ہے کسی بھی معاملے میں مقرر حد سے آگے نکل جانا۔ قرآن کریم سے دو مثالیں۔

> اذ دخلوا علی داؤد ففزع منهم قالوا لا تخف خصمن بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق و لا تشطط واهدنا الی سواء الصراط (ص: ۲۲)
>
> جس وقت وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے۔ انھوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا' اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سیاق میں شطط کی ضد "انصاف" ہے۔ فیصلہ سنانے میں انصاف۔ اگلی مثال کی نوعیت قدرے مختلف ہے۔

> فقالوا ربنا رب السموات و الارض لن ندعوا من دونه الها لقد قلنا اذاً شططا (الکهف: ۱۴)
>
> تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے' ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے۔ (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔

سیاق سے صراحت ہوتی ہے کہ دوسری آیت میں "شطط" سے مراد اللہ پر جھوٹ باندھنے کا وہ گناہ ہے جس کی اکثر مذمت کی گئی ہے۔ اس تعبیر کی واضح تائید اگلی آیت سے ہوتی ہے جو مندرجہ بالا آیت کے فوراً بعد آئی ہے۔

هولاء قومنا اتخذوا من دونه الهه لولا یا تون علیهم
بسلطن بین فمن اظلم ممن افتری علی اللّٰه کذبًا
(الکهف: ۱۵)
ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ یہ (ان کے خدا ہونے پر) کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے۔

چنانچہ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ شطط = کذب (جھوٹ)۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہاں کذب کے معنی "صداقت کی حدود سے باہر نکلنا" کے مفہوم میں کیے جائیں گے۔

اس باب میں ہم نے پانچ ایسی اہم اصطلاحات کا تجزیہ پیش کیا جو کفر کے مختلف مدارج یا پہلوؤں کو ظاہر کرتی ہیں۔ تاہم اس تجزیے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے قابل مذمت صفات کے دائرے کا مکمل مطالعہ پیش کر دیا ہے۔ بہت سے ایسے اور الفاظ بھی ہیں جن پر کم از کم سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ان پر ہم آئندہ گفتگو کریں گے، جب قابل تعریف صفات کے ذکر کے ضمن میں ان کا تجزیہ بھی سامنے آئے گا۔ تاہم ان میں سے ایک اصطلاح نفاق ایسی ہے ک اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا الگ سے مکمل جائزہ لینا ضروری ہے۔ (اگلے باب میں اسی اصطلاح سے بحث ہوگی)۔

حواشی

۱۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، جز ثالث، (قاہرہ، مکتبہ تجاریہ، ت۔ن)، ص ۱۲، تذکرہ ابو عامر عبد عمرو

بن صیفی بن مالک بن النعمان الفاسق (مترجم)

۲۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی' انوار التنزیل' ج ۱ (استنبول' مطبعہ عثمانیہ' ۱۳۱۴ھ)' ص ۱۰۱' بیضاوی الفاسقون کا مطلب بتاتے ہیں' ای المتمردون من الکفرہ

۳۔ بیضاوی: انوار التزیل' ج ۱' ص ۴۰۴ (وضع الظالمین موصنع الکافرون لانہ اعم واکثر فائدۃ

۴۔ بیضاوی' انوار التنزیل' ج ۱' ص ۴۵۲